غزوات اور سرایا پر ایک نظر

امانت علی نقوی ترنتیس

غزوات غزوہ کی جمع ہے اور سرایا سریہ کی۔ غزوہ ایسی جنگ کو کہتے ہیں جس میں لڑنے والوں کی تعداد کم از کم تین سو چار سو ہو۔ اور جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نفس نفیس شریک رہے ہوں سریہ میں تعداد نہیں دیکھی جاتی۔ ایک آدمی کہیں تحقیق و دیکھ بھال کرنے چلا گیا ہے تو اس کا جانا بھی سریہ ہے۔ دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کے لئے بعض دفعہ واقعی ایک آدمی بھیجا جاتا تھا ایک آدمی یا تھوڑے سے آدمیوں کا نقل جانا سریہ کہلانے کو کافی ہے۔ جھڑپ ہونے نہ ہونے کی قید نہیں ہے۔

دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے جو مسلمان جاتے تھے وہ کامیاب تب سمجھے جا سکتے تھے کہ خاموشی سے جائیں اور زندہ سلامت واپس آئیں۔ انہیں لڑنے کا تصور تک دماغ میں نہ لانا چاہیئے تھا مگر اس زمانہ کے عرب چونکہ فطرتاً لڑاکو تھے۔ حضور خاص طور سے ہدایت بھی فرما دیا کرتے تھے کہ لڑائی سے حتی المقدور پرہیز رکھنا مثلاً اشاعت اسلام کی غرض سے کوئی مبلغ چلا اور اس کے ساتھ تھوڑے سے فوجی بھی گئے تھے۔ تو ان فوجیوں سے کہا جاتا تھا کہ بات بات پر تلوار مت نکالنا تمہیں اس خیال سے بھیجا جا رہا ہے کہ دشمن مبلغ پر غیبرۃ ہونے پائے۔

بے شمار کفار کے مقابلے میں دس بارہ مسلمانوں کا پہل کرنا کیونکر ممکن تھا۔ دس بارہ مسلمانوں جب ہی لڑتے تھے۔ جب مبلغ کی اور ان کی جان پر بن جاتی تھی۔ پھر وہ مار کر مرنا پسند کرتے تھے۔ محافظ دستوں میں عموماً دس بارہ سے زیادہ آدمی نہیں ہوتے تھے۔ مشاہدت اسلام کرنے والی جماعتیں کے ساتھ جو فوج جاتی تھی۔ وہ مبلغین کے ماتحت رہتے تھے۔ لیڈری انھیں نہیں ملتی تھی۔

قدیم عادت کے سبب، سریہ میں یا جنگ میں مسلمانوں نے کبھی لوٹ مار مچائی ہے تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں تنبیہ فرمائی ہے اور ڈانٹ بتائی ہے۔ غزوہ خیبر کے

کے بعد ارشاد ہوا۔ ان اللہ تعالیٰ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتاب الا باذن ولا ضرب نسائھم ولا اکل ثمارھم اذا اعطوکم الذی علیھم. اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ جائز نہیں کیا ہے کہ یہودی تو تمہیں وہ ادا کر دیں جو ان کے ذمے ہے یعنی جزیہ ٹیکس) اور تم ان کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر گھس جاؤ یا ان کی عورتوں کو مار دبیٹو یا ان کے باغوں کے پھل (توڑ توڑ کر) کھانے لگو۔

لوٹ مار عربوں کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ کسی سفر میں بہت سے صحابی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ کھانے کو ایک دانہ نہ تھا اور بھوک نے ستایا تو راستے میں بکریاں چر رہی تھیں۔ انہیں پکڑ لیا اور ذبح کر کے چولھے پر چڑھا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کیا حرکت ہے۔ لوٹ کی چیز تو مردہ جانور سے بڑھ کر حرام ہے[1]۔ کمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی اس سے حضورؐ نے دیگچے الٹ دیئے۔

عربوں کی لوٹ مار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بڑے تدبر سے چھڑایا تھا جس طرح عربوں سے قماربازی اور شراب نوشی چھڑائی تھی یا لونڈی غلام رکھنے کا شوق چھڑایا تھا[2] شراب

---

[1] قرآن مجید میں ہے لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔ ایک دوسرے کا مال ناجائز طور سے مت کھاؤ۔

[2] اسلام کے تمام احکام بتدریج آتے تھے۔ غلامی کا انسداد اسلام نے کس طرح کیا۔ انشاء اللہ اس پر مستقل الگ مضمون نکلوں گا۔ شراب خوری اور قماربازی کے بتدریج چھڑانے کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے حسب ذیل آیت اتری: یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما (اے رسولؐ) لوگ تم سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو کہ (شراب پینے اور جوا کھیلنے) دونوں میں (انسان پر بڑا) گناہ (کمانا) ہے ان کے فائدوں سے گناہ اور نقصانات بڑھے ہوئے ہیں۔ پھر کچھ دن بعد حکم آیا۔ لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ماتقولون۔ (اے مسلمانو!) نشے کی حالت میں نماز مت پڑھا کرو (جب نشہ جاتا رہے) حتیٰ کہ تم سمجھ سکو کہ زبان سے کیا نکل رہا ہے (تب نماز پڑھنی چاہیے)۔

تیسری دفعہ حتمی حکم آ گیا: یاایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو شراب

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور لونڈی غلام تو زوائد ہیں۔ لوٹ مار سے عربوں کے بیوی بچے پلتے تھے۔ لوٹ مار ان کی آمدنی کا اہم ترین ذریعہ تھی۔ عرب مسلمان اول اول یہ سمجھا کیے کہ مال غنیمت حاصل کرنا بھی ثواب کا کام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ایک شخص جہاد میں شریک ہونے کا خواہشمند ہے، اور چاہتا ہے کہ خوب مال غنیمت ملے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے جہاد کا ثواب نہیں ملے گا۔ سائل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب لوگوں کو پہنچایا۔ تو وہ اتنی غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ کہنے لگے تم غلط سمجھے ہو۔ جاکر دوبارہ پوچھو۔ چنانچہ دوبارہ پوچھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا کہ ثواب نہیں ملے گا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جتنے غزوات ہوئے سب دفاعی تھے[۱]

(بقیہ صفحہ گزشتہ): (پینی) اور (جوا) کھیلنا اور بت (سازی) اور جوے کے تیر چلانا (سب) بلاشک وشبہ ناپاک اور شیطانی کام ہیں۔ لہٰذا ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کو فلاح حاصل ہو۔

بتدریج کی ایک شکل تو یہ تھی کہ کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم بتدریج دیا گیا۔ دوسری شکل یہ تھی کہ تمام کانونی احکام بیک وقت نہیں آئے۔ نماز صرف ایک ایسا رکن ہے جو پہلے ہی دن فرض ہوگیا تھا۔ ورنہ باقی ارکان آہستہ آہستہ فرض کیے گئے تھے۔ روزہ ہجرت کے بعد فرض ہوا۔ زکوٰۃ جب فرض ہوئی جب مسلمان زکوٰۃ دینے کے قابل ہوگئے اور حج جب فرض ہوا جب مکہ فتح ہوگیا۔

نماز کا حکم پہلے دن مل گیا تھا۔ لیکن تکمیل نماز کی بھی تدریج کی گئی تھی۔ مثلاً ۵ھ تک نماز میں بات کرلینا یا سلام کا جواب دے دینا جائز تھا۔ اور شروع شروع میں ہر نماز میں صرف دو فرض پڑھے جاتے تھے۔ چار فرضوں کا اور اوقات نماز کا تعین بعد کو ہوا تھا۔

بات یہ ہے کہ جوں جوں مناسب حالات پیدا ہوتے جاتے تھے۔ احکام آتے جاتے تھے اور احکام کی تکمیل ہوتی جاتی تھی۔ حتی کہ وہ روز سعید آیا تو فرمایا گیا " الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی " آج ہم نے تمھارا دین کمل کردیا۔ اور اپنی نعمت تمھیں پوری دیدی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما نے احکام کے تدریج نازل ہونے کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی ہے " اول عذاب و ثواب کی آیتیں نازل کی گئیں۔ جب دلوں میں استعداد اور رقت پیدا ہوئی تو احکام بھیجے۔ اگر پہلے یہ حکم دے دیا جاتا کہ شراب مت پیو تو اس حکم کو کون مانتا۔"

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہمیشہ دشمن نے چھیڑ نکالی۔ دفاع کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دشمن سر پر پہنچ جائے تب جنگ کرنے نکلا جائے بعض اوقات دشمن سر پر پہنچ جاتا تھا۔ بعض اوقات راستے میں روکنا پڑتا تھا۔ بعض اوقات اس کے ارادے کا علم ہوتے ہی انسداد کردیا جاتا تھا۔

مکے سے ہجرت کر لینے کے باوجود کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا تھا۔ مدینے میں مسلمانوں نے ذرا سا امن اور اسلام نے کسی قدر فروغ پایا تو مکہ کے کفار کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور مدینے پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہونے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور جملہ مہاجرین و انصار کو ہتھیار باندھ کر سونا پڑتا تھا کہ نہ معلوم دشمن کب آجائے مکے میں اکیلے کیسے کیسے مصیبت جھیلتے ہوئے تھے۔ اب مکے والوں نے سارے عرب کو تیار کر دیا تھا۔ مکے والے عرب کے کونے کونے میں کہتے پھرتے تھے کہ دیکھو اسلام پھیلنے نہ پائے ورنہ تمھارا اور تمھارے باپ دادا کا مذہب اور تفوق مٹ جائے گا۔ کفار مدینے کے پاس پیغام بھیجتے تھے کہ محمد ؐ کو مدینہ میں مت ٹھہرنے دو۔ ہم گوارا نہیں کرسکتے کہ محمد ؐ اور جملہ مسلمان پناہ کی جگہ پہنچ جائیں۔ تم نے انھیں اپنے ہاں ٹھہرائے رکھا تو ہم تم سے بھی لڑیں گے۔

اس نوع کی اطلاعات حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برابر پہنچتی رہتی تھیں۔ اور حضور ؐ دس دس یا پانچ پانچ اصحاب کی جماعتیں تفتیش و تحقیقِ حال کے واسطے اِدھر اُدھر دوڑاتے رہتے۔ اصلیت تو بس اتنی ہے۔ لیکن معاندین اسلام کہتے ہیں کہ نہیں سرایا کا مقصد قافلوں کی لوٹ مار تھا۔ معاندین کی رائے میں اسلام پھیلا قتل و غارت کے ذریعہ سے۔ گویا اسلام میں ذاتی کشش مطلق نہ تھی۔ تلوار کا زور نہ دکھایا جاتا تو اسلام نہ پھیلتا۔

معاندین مکہ کے دور پر بھی غور کرتے ہیں یا نہیں۔ تلوار کا قصہ تو مدینہ پہنچ کر پیش آیا تھا۔ مکہ میں تیرہ سال جو لوگ مسلمان ہوتے رہے وہ معاندین کے نزدیک کس تلوار سے مسلمان ہوتے رہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) [1] دفاعی ہونے کا ایک بین ثبوت یہ ہے کہ متعدد لڑائیاں ان مہینوں میں لڑی گئیں جن میں لڑنا اسلام نے حرام قرار دیا ہے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھلا کیسے ان مہینوں میں پہل کرسکتے تھے۔ صرف مدافعت ہی کے لیے ان مہینوں میں لڑنا ممکن تھا۔ مدافعت کی ضرورت پیش آجائے تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے کو کوئی عقل تسلیم نہیں کرتی۔

اسلام لانے کے معنی یہ تھے کہ بس یہ تھے کہ سفاکیاں برداشت کیجیے، نکو بنیے، ورثہ اور ترکہ سے محروم ہو جائیے۔ حتیٰ کہ جہاں جنم لیا، جہاں کھیلے کودے، جہاں پلے بڑھے، اس شہر کو اس ٹیلے کو، اس گھر کو چھوڑ دیے اور گھر سے بے گھر ہو جائیے۔

جو اسلام قبول کرتا تھا وہ مادی اعتبار سے صرف تکلیفیں اور نقصانات اٹھاتا تھا فائدہ اور آسائش پانے کی ایک آدھ مثال بھی نہیں ہے۔ پھر نہ جانے لوگ کیوں کھنچے چلے آتے تھے۔

ہم تلوار کے نام سے جھینپتے اور شرماتے نہیں ہیں۔ جس طرح افراد کو تحمل اور مقابلہ دونوں چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح جماعتوں کو بھی یہ دونوں صورتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ ہماری جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ ان الجنۃ تحت ظلال السیوف۔

مرد مومن را عزیز اے نکتہ رس
چیست جز قرآن و شمشیر و فرس (اقبال)

اسلام محض نظریاتی دین نہیں ہے اسلام عمل اور (تگ و تاز) کا دین ہے اسلام اپنی ثنا و صفت بیان کرنے والوں اور منطق و استدلال سے اپنی صداقت ثابت کرنے والوں سے اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا ان سے خوش ہوتا ہے جو اسلام کا مکمل نمونہ بن جائیں۔ مکمل نمونہ ہونے کے لیے مجاہد ہونا لازمی ہے۔ اسلام مولانا اسمٰعیل شہید دہلویؒ اور مولانا سید احمد شہید بریلویؒ جیسے علماء دیکھنے چاہتا ہے قابل فخر تو ہمارے لیے ٹیپو سلطانؒ اور سلطان حیدر علی وغیرہ بھی ہیں۔ لیکن اسلام کے معیار پر صحیح آخری دور کے یہی دو بزرگ اترتے ہیں۔ اسلام خالی خولی پوجا پاٹ کا مذہب ہوتا تو تلوار کے نام سے بے شک جھینپا اور شرمایا جاتا۔ اسلام ایک نظام زندگی ہے۔ جس میں رکوع و سجود اور ذکر و شغل بھی شامل ہے اللہ اور رسولؐ پر ایمان لانے کے لیے کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا لیکن اسلامی نظام کے نفاذ میں کوئی رکاوٹ ڈالے تو وہ رکاوٹ قطعی دور کرنی پڑتی ہے قانون بغیر قوت کے بے معنی شئے ہے۔ ایسی قومیں اور ہوں گی جو مار کھائیں اور ہاتھ نہ اٹھائیں۔ یا ایک گال پر طمانچہ لگے تو دوسرا گال آگے کر دیں[1]۔ مسلمانوں کا یہ مسلک ہرگز نہیں ہے۔

---

[1] اس قسم کے دعوے کرنے والی قومیں ہم نے دیکھی ہیں۔ لیکن ان دعوؤں پر عامل کوئی قوم نہیں ہے قوموں کے بعض طبقے بے شک دبا دکھاتے ہیں اور ماریں برداشت کرتے ہیں۔ مگر کسی دعوے کے ماتحت نہیں۔ اپنی کمزوری
(طمانچہ لگے تو دوسرا)

جہاد[1] مسلمان کے ایمان کی کسوٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ تم نے فلاں فلاں آدمیوں کو جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت کیوں دیدی جہاد ہی سے تو پتہ چل سکتا ہے کہ اپنے ایمان میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ عفا اللہ عنک لم اذنت لھم حتی یتبین لک الذین صدقوا وتعلم الکذبین ۔

مسلمان شہید مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔ اسے مردہ کہنے سے منع کیا گیا ہے اور فرمایا کہ شہید زندہ ہے۔ تم میں ان کی زندگی کے سمجھنے کا شعور نہیں ہے۔ لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ط بل احیاء ولکن لا تشعرون۔ اللہ تعالیٰ نے (ہاتھ پر ہاتھ دھرے) بیٹھنے والوں پر جہاد کرنے والوں کو فضیلت دی ہے۔ مجاہدین کو ان کا بڑا اجر ملے گا۔ فضل اللہ المجاہدین علی القاعدین اجرًا عظیما۔ ظلم کیے جانے کے بعد انتقام لیا جائے۔ اور تلوار چلائی جائے۔ تو اس کی اسلام قطعی اجازت نہیں دیتا ہے ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولئک ما علیھم من سبیل۔ اسلام سعی و عمل اور جنگ و تاز کا دین ہے[2]۔ ایمان لانے سے مسلمان کے مقصد کا تعین ہوتا ہے اور سعی و تاز سے اس

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اور بے حسی کے سبب۔ اسلام ایسی مظلومیت کو گوارا نہیں کرتا، بلکہ مظلوموں کو ظلم کے مقابلہ کی طاقت بخشتا ہے۔

1 جو مسلمان صرف دل میں برائی کو برائی سمجھتا ہے، وہ بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے اعلاء کلمۃ الحق کرتا ہے۔ وہ بھی جہاد کرتا ہے۔ اس وقت ہم اعلاء کلمۃ الحق کے لیے میدان جنگ میں آجانے کا ذکر کر رہے ہیں، ورنہ جہاد کے لفظی معنی تو کشمکش اور جد و جہد کے ہیں کشمکش اور جد و جہد حالات کو ملحوظ رکھ کر کی جاتی ہے۔ جیسے حالات ہوں ویسا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی انسان مجبور ہوتا ہے کہ صرف دل میں برائی کو برائی سمجھے، زبان سے کچھ نہ کہے اور کبھی انسان مجبور ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں آجائے۔ ہمیں کمزوری کے وقت ہمت سے کام لینے کا حکم ہے اور طاقت کے وقت سختی اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

2 بقول میجر جنرل اکبر خان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ دور جو کفار اور مشرکین اور معاندین اسلام کی ریشہ دوانیوں اور دشمنانہ کارروائیوں کا مقابلہ کرنے اور امور مملکت کا انتظام و انصرام فرماتے اور میدان جنگ میں کفار کے لشکروں کو ہزیمت دینے میں گزارا۔ حکمت و سیاست اور فن جنگ میں ماہرانہ قیادت کے اعتبار سے اتنا ہی اہم ہے جتنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کے مجموعے ہیں۔ جس طرح دینی و دنیاوی فلاح کیلیے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مقصد کو حاصل کیا جاتا۔ مسلمان کی ساری زندگی جہاد ہے۔ اسلام فقط اتنا چاہتا ہے کہ لڑائی میں پہل نہ کرو اور لڑائی میں بھی اخلاق کا دامن نہ چھوڑو۔ لیکن لڑائی جھاڑ کا کانٹا بن کر چمٹ جائے یا دین خطرے میں نظر آئے تو اس وقت مردانگی دکھانا مسلمان کا فرض ہے۔ نفلی نماز اور نفلی روزے سے افضل فرض

(بقیہ صفحہ گزشتہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال سے بہتر کوئی ضابطہ نہیں ہے۔ اسی طرح تاریخ عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے جواب نہیں ملتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ عمل سراسر عمل و جہد کا پہلو ہے اور اس میں اصول سے لے کر جزئیات تک ہر چیز اپنی جگہ مکمل اور مرصع موجود ہے۔ مسلمانوں کو اور کسی طرف دیکھنے اور کسی کے عنوان قیادت و مہارت سے ریزہ چینی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات حمیدہ صفات کے علاوہ فن جنگ کے اعتبار سے بھی دنیا میں کہیں صحیح قیادت و مہارت میسر نہیں آسکتی۔"

میجر جنرل اکبر خان کی پوری عمر فوج میں گزری ہے۔ جنرل صاحب ۱۹۱۴ء اور ۱۹۳۹ء کی دونوں بڑی جنگوں میں شریک رہ چکے ہیں اور فوجی قیادت و مہارت میں ایک مقام رکھتے ہیں۔ وہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجی قیادت و مہارت دیکھ کر حیران ہیں۔ جنرل صاحب نے اس مضمون پر "حدیث دفاع" کے نام سے تین سو چھتیس (۳۳۶) صفحے کی ایک مبسوط کتاب لکھی ہے اور ثابت کیا ہے کہ فوجی قیادت و مہارت کے اعتبار سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی تاریخ عالم پیش نہیں کرسکتی۔ جنرل صاحب لکھتے ہیں کہ امریکہ کے جنرل پیٹن نے ۱۹۳۹-۴۵ء کی جنگ میں بہت نمایاں حصہ لیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ فن جنگ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بجائے وہ قرآن مجید کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اسے بہت مفید اور سبق آموز پاتا ہوں۔"

ہم ہر شے کو صرف اتنا ہی دیکھ سکتے ہیں جتنی وہ ہمارے سامنے ہوتی ہے اس کے وہ رخ جو ہمارے سامنے نہیں آتے۔ پھر دیکھنے میں ہماری نگاہ کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ نگاہ تیز ہے تو شے زیادہ صاف نظر آتی ہے۔ اور نگاہ ناقص ہے تو کم صاف اور دھندلی نظر آتی ہے، اور نگاہ کے ساتھ علم کی عقل کی اور رجحان کی عینکیں بھی کام کرتی ہیں خدا معلوم کتنی عینکیں ایک شے کے دیکھنے کے لیے لگانی پڑتی ہیں اور تمام عینکیں لگا کر بھی حقیقتاً شے کی حقیقت تک ہم نہیں پہنچتے۔ دیکھنے اور سمجھنے میں کوئی نہ کوئی کسر رہ جاتی ہے۔ شے کے سارے پہلوؤں کا کوئی نگاہ اور کوئی عینک احاطہ نہیں کرسکتی۔

عام اشیاء کے دیکھنے اور سمجھنے کا یہ حال ہے یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات کی بابت دعوے نہیں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مسلمان اس وقت گھر میں چھپا بیٹھا نہیں رہ سکتا۔

دینی خطرے میں نظر آئے تو مدافعانہ ہی نہیں، جارحانہ جنگ کی جا سکتی ہے۔ تاہم وہ کچھ اور بات ہوگی اور یہ بات کچھ اور ہے کہ سرایا کا مطلب قافلوں کو لوٹنا تھا یا اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کیا جا سکتا کہ ہم نے انھیں خواب میں دیکھ لیا۔ اور خوب سمجھ لیا کہ اشرف المخلوقات انسان اور اشرف المخلوقات میں اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کون کہہ سکتا ہے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ کمالات کا علم ہو گیا۔

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بصیرت اور اپنے ذوق کے مطابق دیکھتا ہوں۔ آپ اپنی بصیرت اور ذوق کے مطابق دیکھتے ہیں۔ البتہ جب آپ مجھے بتاتے ہیں یا آپ کو میں بتاتا ہوں کہ ذرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فلاں وصف تو ملاحظہ کیجئے تو آنکھیں کھلتی ہیں۔ صلح حدیبیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا کل صحابہ کے نزدیک اعتراف شکست تھی تو ہم آج کل کے مسلمان صلح حدیبیہ کو فتح کیا قرار دے سکتے ہیں۔ صحابہ پر شرائط نامہ حدیبیہ کا ناگوار اثر اس وقت تک رہا۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے اسے فتح نہیں فرما دیا۔ ہم زیادہ سے زیادہ فتح مکہ سے صلح حدیبیہ کا جوڑ ملا سکتے ہیں۔ لیکن میجر جنرل اکبر خان نے تیس پینتیس برس مسلسل جنگوں اور صلحوں کا تجربہ اور دو عظیم اور عالم گیر جنگوں میں شرکت کرنے کے بعد انا فتحنا لك فتحا مبينا کا حسن نمایاں کیا تو بے اختیار زبان سے نکلا کہ آں چہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری۔ میجر جنرل اکبر خان غور کرتے ہیں تو ان کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں اور صلحوں کے محاسن اجاگر ہو جاتے ہیں اور وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر جنرل میں نے نہیں دیکھا۔ اور میں نے نہیں سنا۔ اور اس مضمون پر کتاب لکھ ڈالتے ہیں۔ اور مسٹر ایس۔ اے۔ رحمٰن سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ غور کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لاثانی مقنن ہونے کا اقرار فرماتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک غیر مسلم کے متعلق علامہ عنایت مشرقی مرحوم کی روایت ہے کہ وہ ۱۹۰۷ء میں (غالباً بحیثیت طالب علم) لندن میں ایک غیر مسلم کے مکان کے قریب مقیم تھے۔ غیر مسلم کا نام تھا سر جمیس جینس۔ ان کا شمار دنیا کے ممتاز ترین سائنس دانوں میں ہے۔ اور برطانوی سائنس دانوں کے تو یہ استاذ الاساتذہ تھے۔ ۱۹۴۸ء میں فوت ہوئے ہیں۔ ایک دن باتوں باتوں میں علامہ مشرقی نے سر جمیس کو یہ آیت سنائی۔ انما يخشى الله من عباده العلماء۔ اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جنھیں (اس کی عظمت) کا علم ہے۔

سر جمیس نے کہا! تمھارے بے پڑھے لکھے نبی کو یہ راز کیسے معلوم ہو گیا کہ اللہ سے اہل علم ہی ڈرتے ہیں۔ یقیناً وہ

بقول ڈاکٹر آرنلڈ اسلام کی اشاعت تلوار کے زور سے ہوئی ہوتی تو دہلی آگرہ، جون پور، لکھنؤ اور لاہور میں آج ہندو نظر نہیں آتا اور متھرا اور بنارس میں کسی مندر کا نام و نشان نہ ملتا۔ نہ جانے مخالفین کیسے کہہ دیتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ جبری ایمان تو ایمان ہی نہیں ہے۔ ایمان وہ ہے جو ارادے، اختیار اور دل سے قبول کیا جائے۔ جو شخص دل سے مسلمان نہ ہوا اور اپنے کو مسلمان کہے اسے اسلام کے حق میں کافر سے زیادہ خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ وہ منافق ہے۔ ففتھ کالم ہے۔ مار آستین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو صاف فرمادیا ہے لا اکراہ فی الدین الخ۔ دین کے معاملے میں جبر کا کام نہیں ہے (دین دل کے اعتقاد سے تعلق رکھتا ہے۔ جبر سے اعتقاد نہیں پیدا ہو سکتا۔ بیشک راہ ہدایت گمراہی سے الگ اور نمایاں ضرور ہو چکی ہے۔ انا ھدینٰہ السبیل اما شاکراً و اما کفوراً۔ ہم نے راہ (ہدایت) انسان کو سمجھادی، اب وہ چاہے اس پر چلے اور چاہے نہ چلے۔

اسلامی حکومت میں غیر مسلم ذمی بن کر رہ سکتے ہیں اور بعض اعتبار سے مسلمانوں کی نسبت زیادہ مزے میں رہ سکتے ہیں۔ ایک دو سرایا کفار مکہ کی تجارت روکنے کی نیت سے ضرور بھیجے گئے تھے کفار مکہ مسلمانان مدینہ کو حج اور عمرے کے لیے بھی مکے میں قدم نہیں رکھنے دیتے تھے۔ مدینہ کے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) سچے نبی تھے یقیناً قرآن اللہ کا کلام ہے۔ ہوا یوں کہ سر جیمس اتوار کے اتوار بغل میں بائبل دبائے گرجا جایا کرتے تھے۔ ایک دن علامہ مشرقی نے ان سے پوچھا کہ آپ جیسا جلیل القدر سائنسداں گرجا جاتا ہے۔ کیا قصہ ہے۔ سر جیمس نے کہا شام کو میرے ساتھ چائے پینا، شام کو جواب دوں گا۔ شام کو علامہ مشرقی گئے تو سر جیمس نے اجرام فلکی کے مہیب نظام پر ایسی ایمان افروز تقریر کی اور اللہ کی حکمت و عظمت پر ایسی روشنی ڈالی کہ علامہ مشرقی دہشت و حیرت کے دوگونہ کیفیات میں کھو گئے۔ اور خود سر جیمس کا عجیب عالم تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں اور سر کے بال کھڑے تھے۔ اور ہیبت الٰہی سے لرزہ براندام تھے۔

آخر میں سر جیمس نے فرمایا: عنایت اللہ! اسی خشیت و ہیبت کی فراوانی کو ہلکا کرنے کی خاطر میں گرجا جاتا ہوں۔ میں جب فرش خاک پر جبین نیاز رکھ کر "خدائے عظیم" کہتا ہوں، تو یقین مانئے یہ آواز میرے دل کی گہرائیوں سے اٹھتی ہے۔ مسٹر عنایت اللہ! میں نے اللہ کے شاہکار پر سالہا سال غور کرکے ہی اللہ کی عظمت کا تصور قائم کیا ہے جاہل انسان اللہ کی عظمت کا تصور نہیں کرسکتا۔ اس فقرے پر علامہ مشرقی نے قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت تلاوت کی۔ جو سر جیمس کے دل میں کھپ گئی۔

مسلمانوں نے کہا: اس کا جواب یہ ہے کہ تم شام میں تجارت کرنے مدینے کی طرف سے نہیں جا سکو گے کفار مکہ مدینے کی طرف سے جانے پر مجبور تھے اور یوں مسلمانان مدینہ اور کفار مکہ کی جھڑپیں ہو جاتی تھیں اور جھڑپوں میں ہتھیار بند ہوتے اور زیادہ ہونے کے باوجود کفار عموماً شکست کھاتے تھے اور سامان چھوڑ کر بھاگتے تھے۔ مقصد حقیقتاً کفار مکہ کی تجارت شام کا روکنا تھا۔ کفار مکہ نہ رکتے اور مقابلہ کرتے تو پھر تلواریں کھنچ جاتیں تھیں، اور جنگ ہو جاتی تھی۔ جنگ میں مال کا ہاتھ آنا لوٹ نہیں کہلاتا۔

مسلمان تجارتی قافلوں کو اکثر نقصان پہنچا کرتا تھا۔ اس کے تدارک کی خاطر بھی سرایا کرنے پڑتے تھے۔ جب صلح حدیبیہ کے بعد کفار مکہ نے حج کی اجازت دے دی تو مسلمانان مدینہ نے بھی شام کے راستے کی روک ٹوک اٹھالی بلکہ صلح کے بعد کفار مکہ کا جو تجارتی قافلہ مدینے کی طرف سے گزرتا تھا مسلمانان مدینہ اسے سہولتیں بہم پہنچاتے تھے اور دوسروں سے لٹنے بچاتے تھے۔ پھر سرایا کفار مکہ کی حفاظت کے واسطے کیے جاتے تھے۔[۱]

---

[۱] نتیجہ یہ نکلا کہ وہی حضرات جن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھلا یہ کیسے کہا ہو گا جو شخص جہاد اس خیال سے کرے گا کہ مال غنیمت ہاتھ آئے اسے جہاد کا ثواب نہیں ملے گا۔ یا آخر ایسے ہو گئے کہ مال غنیمت انھیں دیا جاتا تھا اور وہ انھیں لیتے تھے۔

حضرت واثلہ بن الاسقع غزوہ تبوک میں جانے لگے تو ان کے پاس جنگ کا سامان نہیں تھا۔ انھوں نے ایک انصاری سے معاملہ کیا کہ اس وقت میری مدد کیجیے۔ جتنا مال غنیمت میرے ہاتھ آئے گا اس میں سے آدھا آپ کو دوں گا۔ انصاری نے حضرت واثلہ کی خوراک اور سواری اپنے ذمے لی۔ حضرت واثلہ کے حصے میں کئی اونٹ آئے اور آدھے اونٹ حضرت واثلہ نے حسب وعدہ انصاری کی خدمت میں پیش کیے۔ مگر انصاری نے فرمایا "انھیں تم ہی رکھو۔ میں نے تو ثواب میں شرکت کی تھی۔ اونٹوں کا خواہاں نہیں ہوں"۔

دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ لوٹ مار کے ساتھ خونریزی بھی رک گئی ملک میں امن وامان ہو گیا۔ اور ملک کو سکون واطمینان مل گیا۔ آج کل کی طرح جنگ بعد از جنگ کا کھٹکا نہیں رہا۔

اور یہ بھی سن لیجیے کہ ۲ھ سے ۹ھ تک یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات میں کل دو سو انسٹھ مسلمان شہید ہوئے تھے اس تعداد کو دیکھیے اور اس انقلاب پر غور کیجیے جس انقلاب کی نظیر نہیں پیش کی جا سکتی کیا آپ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نہیں کہیے گا کہ اتنی کم خونریزی سے کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنا بڑا کام انجام دے گئے۔

دیکھنا یہ چاہیے کہ سرایا ہوں یا غزوات، جھڑپیں ہوں یا جنگیں، ان کا بالآخر نتیجہ کیا نکلا۔ لوٹ مار نے ترقی کی یا لوٹ مار ختم ہوگئی، قتل و خون جاری رہا یا رک گیا۔ سرایا و غزوات نے ملک کا سکون و اطمینان برباد کر ڈالا یا ملک میں سکون و اطمینان کا دور دورہ ہوگیا۔ نہ زندگی کو دکھوں سے بھر دیا یا زندگی میں کیف پیدا کر دیا۔

آج بھی امن کے نام پر جنگیں لڑی جاتی ہیں۔ لیکن برابر ایک جنگ دوسری جنگ کو جنم دے رہی ہے کیا جو سرایا و غزوات حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کیے گئے تھے ان کا بھی یہی حشر ہوا تھا۔ متعصب یورپین مورخ تک مانتے ہیں۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا اور اہل عرب میں ایسا رشتہ قائم کر دیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور استوار تھا۔

مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے حضرت عدی رضی اللہ عنہ جب اسلام لاتے ہیں تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو کتنا فروغ دینے والا ہے اور عرب کی بے آئینی کو اس طرح مٹانے والا ہے کہ اکیلی عورت حیرہ سے کعبہ کی زیارت کرنے چلے گی اور اسے اللہ کے ڈر کے سوا اور کسی قسم کا کھٹکا نہ ہوگا۔ کیا یہ پیشین گوئی غلط ثابت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلوار ان کے خلاف اٹھاتے تھے جو اس فضا کے پیدا کرنے میں روڑے اٹکاتے تھے اور اسلامی نظام کے قیام میں رکاوٹ ڈالتے تھے جو نہیں چاہتے تھے وحشی متمدن بنیں۔

عربوں کی اصلاح حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تئیس سال میں کی تھی۔ پہلے ہی دن عرب ویسے نہیں بن گئے تھے جیسے وہ اکملت لکم دینکم کے نزول کے وقت تھے اصلاح رفتہ رفتہ ہوئی تھی۔ شروع شروع کی لغزشوں کا ذمہ دار اسلام نہیں تھا۔ عربوں کا قدیم ماحول تھا۔
یوں سوچیے کہ عرب اسلام لانے سے پہلے کیسے تھے اور اسلام لاتے ہی ان میں کتنی تبدیلی ہوئی اور اسلام لانے کے بعد چند سال میں وہ کیا بن گئے۔ اس ترتیب سے سوچیے گا تو دل بے اختیار پکار اٹھے گا کہ دل و دماغ میں ایسا انقلاب رونما کرنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حصہ تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی خوش اسلوبی سے یہ مقدس انقلاب کیا۔ اس کے تصور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت دل میں جاگزیں ہو جائے گی۔

عرب میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک گھر گرستی والے، دوسرے خانہ بدوش۔ گھر گرستی والے تو تجارت بھی کر لیا کرتے تھے مگر خانہ بدوشوں کا پیشہ فقط لوٹ مار تھا۔ اس سے مسلمان تجارتی قافلوں کو بھی اذیت پہنچا کرتی تھی۔ انھیں سزا دینے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی کہ ان پر بے خبری میں حملہ کیا جائے۔ خانہ بدوش کے معنی ہیں گھر کندھے پر۔ آج یہاں کل وہاں۔ بے خبری کے حملوں کے باوجود خانہ بدوشوں کا ہاتھ لگنا مشکل تھا۔ بس ان ہاتھ نہ لگنے والوں پر بے خبری میں حملے کیے گئے تھے ویسے عام جنگوں میں بے خبری کا حملہ منع ہے۔ بے خبری کے حملے اسلام سے پہلے کیے جاتے تھے۔ اسلام نے انھیں ختم کیا ہے۔

کفارِ مکہ کی تجارت شام روکنے کے علاوہ جتنے سرایا ہیں، ان کا مقصد ان لٹیروں کی تعزیر ہے یا مبلغین اسلام کی حفاظت یا بت شکنی۔

جو دستے مبلغین کی حفاظت کے لیے بھیجے جاتے تھے انھیں بجز جان جوکھوں میں ڈالنے اور جان کھونے کے اس دنیا میں کچھ نہیں ملتا تھا: لیکن معترض کی زبان کون پکڑ سکتا ہے۔ ان کی بابت بھی بدگمانی کرنے والے بدگمانی کرتے ہیں۔ سرایا میں مسلمانوں سے لغزش ہو جاتی تھی تو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اسے لغزش کہا کرتے تھے۔ ایسے سرایے نہیں تھے۔

ملک پر غلبہ پا لینے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک جماعت تبلیغ اسلام کی غرض سے قبیلہ بنی فدیمہ کی طرف روانہ فرمائی اور حسبِ دستور ہدایت کر دی کہ تبلیغ کے لیے جا رہے ہو، لڑنے نہیں جا رہے ہو۔ مگر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا۔ وہ لڑ پڑے خالد بن ولیدؓ کی شمشیر زنی مشہور ہے، لیکن اس موقع پر سیف اللہ کی شمشیر زنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور قبلہ رو ہو کر کہا، اے اللہ! خالدؓ نے جو کیا ہے، میں اس سے بری ہوں تین بار اسی فقرے کو دہرایا۔ اور پھر حضرت علی مرتضیٰؓ سے فرمایا تم جاؤ اور جا کر تلافی کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کتوں تک کا تون بہا ادا کیا۔ رہی بت شکنی، سو بت شکنی سے مراد حملہ کر کے بت توڑنا نہیں ہے جب کوئی بت پرست قبیلہ مسلمان ہوتا تھا اور کہتا تھا کہ ہم میں ابھی اپنے بت خانے کے بت توڑنے کی ہمت نہیں ہے۔ ہمیں وہم آتا ہے اور ڈر لگتا ہے۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پرانے مسلمانوں میں سے دو چار بت شکن

، بھیج دیتے تھے۔ کعبہ میں البتہ گھس آنے والے بتوں کو ضرور نکالا گیا تھا۔

دنیا میں ایک قوم بھی ایسی نہیں ہے، جس کے دامن پر جنگ کے خون کی چھینٹیں نہ پڑی ہوں۔ جنگ کرنا انسان کا فطری جذبہ ہے۔ اسے مٹایا جا سکتا ہے، ہاں کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر کنٹرول کر لیا۔ اس پر قابو پا لیا۔ اسلام جذبات کو کچلتا نہیں ہے۔ ہر جذبہ کی حدود مقرر کرتا ہے، اور حدود کے اندر رہ کر جذبہ پورا کرنے کو فرض، سنت اور مستحب بتاتا ہے۔ جذبہ کا حدود کے اندر رہ کر پورا کرنا اسلام ہے۔

جنگ کا جذبہ عربوں کے اندر غیر معمولی تھا۔ پہلا کام تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کیا کہ اس کا رخ موڑ دیا۔ اسلام سے پہلے عرب آپس میں لڑتے رہتے تھے اسلام لانے کے بعد ان کی تلواریں دشمنوں کے خلاف چمکنے لگیں۔ مگر حکم ہوا کہ دشمنوں کے ساتھ بھی پہل مت کرنا۔ البتہ دشمن نہ مانے تو ڈٹ جانا اور ایسا مزہ چکھانا کہ دشمن کا دف مر جائے اور دیکھو، یہ ڈٹ جانا اور مزہ چکھانا اللہ کے سبب ہو، نفس پروری کے لیے نہ ہو۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا ایسے شخص کا جہاد جہاد ہے۔ جس کی ذہنیت یہ ہو کہ لوگ جہاد کرنے سے اسے بہادر سمجھیں گے، یا اس کی شہرت ہو جائے گی یا مال غنیمت اس کے ہاتھ آئے گا یا وہ ذاتی دشمنوں سے انتقام لے سکے گا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ جو اس نیت سے قتال کرتا ہے کہ اللہ کی بات اونچی رہے بس اس کا قتال اللہ کی راہ کا قتال ہے، یعنی جہاد ہے۔

جو جنگ ظلم و ستم اور جہالت و وحشت کی پوٹ ہے وہ جنگ ہے اور معیوب ہے، مگر جو جنگ اعلائے کلمۃ اللہ، قیام امن، رفع مفاسد، اور نصرت مظلوم کی نیت سے لڑی جائے وہ جہاد ہے اور سب سے بڑی نیکی ہے اور دیکھو بے خبری میں حملہ کرنے کی اجازت اس حالت میں ہے کہ بغیر اس کے دشمن ہاتھ نہ آئے، یا دشمن تم پر بے خبری میں حملہ کر چکا ہو تو اس سے بدلہ اس طریقے سے لے سکتے ہو ویسے بے خبری کا حملہ ناجائز ہے۔

اسلام جوں جوں جڑیں پکڑتا گیا جنگ کے قدیم طریقوں کی اصلاح ہوتی گئی اور ایسی اصلاح ہوئی کہ آج دنیا اس کی نقل کرتی ہے اور پھر بھی اس سے پیچھے رہتی ہے، حکم ہے: ادفع بالتی ھی احسن برائی کی مدافعت بھلے طریقے سے کیا کرو۔

جہاد میں عورتوں، بچوں، نوعمروں اور رہب رہب کرتے بوڑھوں کا قتل عام ناجائز ہے لا تقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً ولا صغیراً ولا امرأۃً۔ اسلام قتل عام کا مخالف ہے۔ اسلام بھاگتے ہوئے دشمن کو تعاقب کر کے مارنا برقرار دیتا ہے اور امان مانگنے والے کو امان بخشتا ہے۔ فاعف عنھم واصفح اے رسولؐ! کفار مکہ کو معاف کر دو اور ان سے چشم پوشی کرو۔ وما انت علیھم بجبار۔ لوگوں پر جبر کرنا تمھاری شان نہیں۔ لست علیھم بمصیطر۔ اے رسولؐ! تم کفار کے اجارہ دار نہیں ہو۔ (کہ انھیں مسلمان بنا کر چھوڑو) وان جنحوا للسلم فاجنح لھا۔ اگر کفار صلح پر آمادہ ہوں تو ان سے صلح کرلو۔

اسلام سے قبل قیدیوں کو درخت سے باندھ کر تیر دل کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ حضورؐ نے اسے روک دیا۔

آج قومیں قوموں سے جنگ میں کیا، امن و امان کے دوران میں بھی عہد کی پابندی کرتی ہیں؟ معاہدے لکھے جاتے ہیں اور پھاڑے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ عہد کی پابندی امن میں بھی ضروری ہے اور جنگ میں بھی۔

جنگ بدر کے موقع پر حضرت یمان اور ان کے بیٹے حضرت حذیفہؓ مدینے آرہے تھے راستے میں انھیں کفار نے گرفتار کرلیا۔ اور کہا کہ وعدہ کرو، مدینے سے ہمارا مقابلہ کرنے نہیں آؤ گے تو چھوڑتے ہیں۔ ورنہ نہیں جانے دیں گے۔ انھوں نے وعدہ کرلیا۔ مدینے پہنچ کر دونوں کے دل میں ولولہ اٹھا کہ ہم مقابلہ کرنے جائیں گے۔ مگر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ وہ اس طرح وعدہ کر کے مدینے پہنچے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عہد نہیں توڑا جا سکتا۔

ابورافع کفار کے ایلچی کی حیثیت سے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں تو ایمان لے آئے اور کہا کہ اب میں واپس نہیں جانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دفعہ تو جانا پڑے گا۔ ایلچی کی حیثیت ختم کر کے آنا۔

صلح حدیبیہ ہوئی تھی وہیں حدیبیہ میں حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کفار مکہ کی قید سے نکل کر پہنچے۔ انھوں نے بہتری کوشش کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں نے بھی بڑا زور دیا کہ ابوجندل واپس نہ جانے پائیں۔ حضرت ابوجندلؓ مار کے نشان اور جلانے کے داغ دکھاتے تھے اور رد کے مسلمانوں سے اپیل کرتے تھے کہ دوبارہ امتحان میں نہ ڈالو۔ مسلمانوں کا اضطراب حد سے

متجاوز ہو گیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ایسی بحث کی کہ اس کا انھیں مدت العمر ملال رہا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد نہیں توڑا۔ اور حضرت ابو جندلؓ کو اسی طرح پابہ زنجیر کفار کے واپس بھیج دیا۔ جس طرح پابہ زنجیر وہ قید خانے سے بھاگے تھے صرف اس شرط صلح کو پورا کرنے کی خاطر کہ مسلمان کفار کے قبضے سے نکل آئے گا تو ہم اسے واپس کر دیں گے۔

قرآن کریم میں جگہ جگہ اس قسم کے احکام ہیں اوفوا بالعقود معاہدوں کی پابندی کرو۔ اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا۔ عہد پورا کرو عہد کے متعلق (تم سے اللہ کے ہاں) باز پرس کی جائے گی۔ (کہ پورا کیا تھا یا نہیں) قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون والذین ھم لامنتھم وعھدھم راعون ہ بے شک مسلمان کامیاب ہو گئے (کون سے مسلمان) وہ جو اپنی نمازیں خشوع و خضوع سے ادا کرتے ہیں۔ اور ۔۔۔ اور ۔۔۔ اور جن کا حال یہ ہے کہ امین ہیں اور پابند عہد ہیں۔ الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا ولم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم عھدھم۔ جن مشرکوں نے تم سے معاہدہ کیا تھا۔ اور انھوں نے ایفائے عہد میں کوئی کوتاہی نہیں برتی، اور تمھارے مقابلہ میں کسی دشمن کو مدد نہیں دی تو ان کے ساتھ تم عہد پورا کرو۔

اسلام کے نزدیک مکڑی کے جالے جیسا معاہدہ کرنا ناپسندیدہ ہے جس میں کمزوروں کو پھنسایا جاتا ہے اور طاقتور جیسے توڑ پھینکتے رہیں۔

جنگ کے قاصدوں کا قتل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسدود کر دیا میدان جنگ کی بابت ہدایت فرمائی کہ انھیں کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ چنانچہ غزوہ بدر کے بعد صحابہ کرام خود کھجوریں وغیرہ کھا کر گزارہ کر لیتے تھے مگر بدر کے قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے قرآن مجید میں ہے: ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا۔ مسلمان اللہ کی محبت میں مسکینوں کو یتیموں کو اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

غزوہ حنین میں چھ ہزار کفار پکڑے گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی رہائی کا حکم دے دیا اور انھیں پہننے کے لیے کپڑے عنایت فرما کر رخصت کیا۔

حاتم طائی کی بیٹی گرفتار ہوئی تو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احترام کے ساتھ مسجد میں ٹھہرایا اور

فرمایا کوئی شخص تمھارے شہر کا مل جائے تو اس کے ہمراہ تمھیں تمھارے وطن (یمن) روانہ کردوں گا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جہاد کے دوران میں راہ گیروں کو ستانا اور گھروں میں گھس کر خانہ نشینوں کو تنگ کرنا گناہ عظیم ہے۔ اس سے جہاد نامقبول ہو جاتا ہے۔

غزوہ احد میں مال غنیمت کے شوق نے مسلمانوں کی فتح کو شکست سے بدل دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اتارا۔ منکم من یرید الدنیا تم میں کچھ لوگ دنیا کے طلب گار تھے۔

ایک حدیث میں ہے : جو مجاہد مال غنیمت سے لیتا ہے اس کا دو تہائی ثواب گھٹ جاتا ہے۔ پورا ثواب اسے ملتا ہے جو مال غنیمت کی پرواہ نہیں کرتا۔

جہاد کی اجازت اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دی تھی۔ اذن للذین یقتلون بانھم ظلموا۔ مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت اس لیے دی جاتی ہے کہ ان ظالموں نے ظلم ڈھا رکھے ہیں، اور حکم فرمایا ہے وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ۔ ان سے لڑو تاکہ فتنہ باقی نہ رہے اور فرمایا: الذین ان مکنھم فی الارض واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر: (یہ مسلمان) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین کا قبضہ دے دیں اور زمین پر متصرف کردیں تو یہ نماز کو قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے اور لوگوں کو اچھی باتیں بتائیں گے اور بری باتوں سے بچائیں گے۔

جہاد اور جنگ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ الذین امنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت۔ مومنین اللہ کی طرف سے لڑتے ہیں اور کفار اہل طغیان کی طرف فراعنہ دنمارود کی طرف سے۔ جہاد کو جنگ کے نقطہ نظر سے اور جنگ کی عینک لگا کر دیکھنا صحیح نہیں ہے۔ جنگ لعنت ہے اور جہاد عبادت ہے۔ جنگ کے بعد دوسری جنگ ہوتی ہے۔ اور جہاد کے بعد امن و اطمینان ہو جاتا ہے۔ جنگ انسانیت کو تباہ کرنے کے واسطے لڑی جاتی ہے اور جہاد دفع ظلم اور انسانیت کے تحفظ کے واسطے کیا جاتا ہے۔ جنگ کے بعد مفتوح قوم کی اقتصادی معاشرتی اور تمدنی حالت تباہ کردی جاتی ہے اور جہاد کے بعد مفتوح قوم کی بہبودی اور فلاح کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ جہاد میں حدود سے تجاوز کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ جنگ میں اللہ کو بھلا دیا جاتا ہے اور جہاد میں اللہ قدم قدم پر یاد آتا ہے۔ مجاہد بلندی پر چڑھتا ہے تو اللہ اکبر کہتا ہے، نیچے اترتا ہے تو سبحان اللہ

کا دور کرنا ہے۔ جہاد میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم احکام بھی جاری فرماتے جاتے تھے۔ اور سجدے کرکے اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر اللہ سے دعائیں بھی مانگتے جاتے تھے۔ جنگ کی آگ کا دوسروں کو ایندھن بنایا جاتا ہے اور جنگ کرنے والا جنگ سے ہزاروں میل دور بیٹھا عیش منا رہا ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں عام مسلمانوں سے زیادہ حصہ لیتے تھے۔ کمانڈری کے ساتھ ساتھ خندق بھی کھودتے تھے اور پتھر بھی توڑتے تھے۔ مجاہدین کے ساتھ اپنا اور سب کچھ بھی لٹا دینے کو تیار ہوتا ہے۔

جہاد اندھا دھند نہیں کیا جاسکتا۔ اہل جہاد کا ایمان ہے کہ جس نے ایک انسان کو بے وجہ قتل کردیا۔ اس نے گویا سارے عالم کو قتل کردیا من قتل نفسًا بغیر نفسٍ او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعًا۔ اسلام کے لفظی معنی ہی امن وسلامتی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن) کے ذریعہ ان لوگوں پر جو (ہوائے نفس کے بجائے) اللہ کی خوشنودی کے تابع ہوں سلامتی کی راہ کھولتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمان کی منزل دارالسلام بتائی ہے لھم دارالسلام عند ربھم۔

اللہ تعالیٰ کہتا ہے الذین یفسدون فی الارض اولئک ھم الخاسرون۔ جو لوگ ملک میں فساد کرتے ہیں انھیں گھاٹا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا باعث یہی بتایا ہے کہ ظہر الفساد فی البر والبحر (ہم نے پیغمبر اسلام کو اس دنیا سے مبعوث کیا ہے کہ لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث) تباہی و بربادی نے بحر و بر کو گھیر لیا ہے۔ (یعنی تمام عالم میں فتنہ و فساد کا دور دورہ ہے)۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ایسا کبھی نہ ہونے پائے کہ کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ کرے کہ تم (اس سے) انصاف نہ کرو۔ ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ الا تعدلوا۔